مسلمان اور امامت کبریٰ

از جناب مولوی صدر الدین صاحب مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ

فطرۃ اللہ جو لوگ شریعت حقہ کی فہم و بصیرت میں ادنیٰ درک بھی رکھتے ہیں اور اس کے آئینہ میں اقوام کے فلسفۂ تخریب و تعمیر کا حقیقی عکس دیکھنا چاہتے ہیں ان کے سامنے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کی لغویت پہلے ہی قدم پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک جتنی قومیں بھی دنیا میں ابھری یا گری ہیں سب کا سررشتہ ایک محکم ضابطہ اور ایک بے لچک قانون سے بندھا ہوا ہے' اس ضابطہ اور اس قانون کو قرآن فطرۃ اللہ یا سنۃ اللہ کہتا ہے۔ اس کا اعلان ہے کہ دیکھو قدرت کا یہ ناموس ازلی اور غیر متبدل ہے۔ اس کے اصولوں کو مانو اور اس کے اشارہ پر قدم اٹھاؤ تو تم یقیناً خدا کے محبوب بھی ہو اور لاڈلے بھی، پھر اس کی خلافت کا تخت تمہارے پیروں تلے ہوگا اور کائنات کی زمام قیادت تمہارے ہاتھوں میں ہوگی۔ دنیوی نعمتوں اور اخروی سعادتوں کے مستحق تمہیں ہو۔ لیکن اگر تمہاری روحوں نے اس قانون سے بغاوت کی اور تم نے اپنی اہواء و آراء کے سانچے میں نظام عالم کو ڈھالنا چاہا تو پھر نہ تمہارا پیغمبروں کی اولاد ہونا تمہیں بربادی و ملعونیت سے بچا سکتا ہے اور نہ خیر الامم اور افضل العٰلمین ہونا تمہارے حق میں سفارش کر سکتا ہے۔ غرض تم ابھرو گے تو اپنی نیک کرداریوں سے اور گرو گے تو اپنی بداعمالیوں سے ورنہ قدرت تو بالکل بے نیاز ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (رعد ۲)

اسی فلسفۂ عروج و زوال کو اصطلاح جدید میں "تنازع للبقا اصلح کا قانون" کہتے ہیں۔ کتاب الٰہی نے اس قانون کو اصل الاصول قرار دیا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی مخلص اطاعت شعار

اور حق آگاہ جماعت اور کونسی ہوئی ہے یا ہو سکتی ہے اور انبیاء کرام کے بعد خدا کے نزدیک ان سے بڑھ کر محبوب یا رعایت کا حقدار اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے لیے بھی خدا کا یہ قانون بے لچک اور غیر متبدل ہی تھا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ الاٰیۃ (مائدہ ۱۲)

اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ عنقریب ایک ایسی قوم برپا کر دے گا جو اسے چاہے گی اور وہ اسے چاہے گا، یہ قوم مومنین کے لیے نرم اور کافرین کے حق میں سخت ہوگی۔

ایک مرتبہ جہاد کے موقع پر بعض ضعفاء القلوب نے جبانت اور بزدلی کا مظاہرہ کیا تو یہ پر عتاب آیتہ نازل ہوئی۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (توبہ)

اگر تم نہ نکلو گے (جہاد کے لیے) تو خدا تم کو دردناک عذاب دیگا اور تمہارے بدلہ ایک دوسری قوم لائے گا تم کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور آگے بڑھیے، جو دنیا میں خدا کی خاص محبوبیت کا پیکر بن کر آیا، جس کے مقام تقرب تک پہنچنے میں جبرئیل کے بھی پر جلنے لگے جو اپنے رب کے اتنا قریب جا پہونچا تھا کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کرتا تھا جو معصوم تھا بلکہ سارے معصوموں کا سردار اس کے لیے بھی سنت الٰہی اپنی اسی آن پر وہی کھول کر کہدیا گیا کہ۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے تا وقتیکہ تم ان کے طریقہ کی پیروی نہ قبول کر لو۔ کہدو کہ راہ ہدایت تو صرف اللہ کی ہدایت ہے ورنہ اگر تم نے بجبے

بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَكَ — ہوا کی پیروی کی علم آجانے کے بعد تو پھر (یاد رکھو)
مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ۔ (بقرہ) — خدا کے مقابلہ میں تمہارا کوئی ولی اور ناصر نہ ہوسکے گا

قانون الٰہی کے مختلف دفعات میں سے ایک مسلّم اور اٹل دفعہ یہ بھی ہے کہ مشرک خدا کی بخشش کا مستحق کبھی نہیں ہوسکتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ یَّشَآءُ۔ یہ ایک قضائے مبرم ہے جس میں کبھی تخلف نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر پیغمبر بھی (نعوذ باللہ) اس جرم کا مرتکب ہو جائے تو اس کے لیے بھی خدائے ذوالجلال کی قہر سامانیاں اتنی ہی بے پناہ ہیں جتنی دوسروں کے لیے بلکہ اس سے دوگنی۔

اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ وَضِعۡفَ — اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تم کو ضرور چکھائیں گے دوگنا
الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا — (عذاب کا) زندگی میں اور موت میں پھر تم ہمارے خلاف
(بنی اسرائیل ۸) — کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔

غرض خدا کی سنت ازل سے ایک حال پر ہے اور ابد تک باقی رہے گی۔ منصۂ شہود پر جو جزئی واقعہ بھی پیش آتا ہے سب کا سب اسی جلوۂ حقیقت کا ایک خارجی اور مادی عکس ہوتا ہے جسے نگاہیں بآسانی بھانپ سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں بینائی ہو۔ آگے جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ اسی اجمالی حقیقت کی تفصیل ہے۔

خلافت الٰہی انسانی شرف و مجد کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ خلافت الٰہی کا تاج اس کے سر پر ابتدائے آفرینش ہی میں رکھ دیا گیا تاکہ وہ خدا کی اس زمین پر اس کے احکامات کا نفاذ کرے۔ اسی غرض کی تکمیل کے لیے مبشرین اور منذرین کا ایک کثیر التعداد گروہ مختلف زمانوں میں مختلف اقوام و ملل کے اندر آتا رہا ہے۔ جب خدا کی مشیت اور حکمت کسی قوم کو نوازنا چاہتی ہے تو اس کے سروں پر اس مقدس تاج کو رکھ دیتی ہے جس سے جمال انسانیت کی شعاعیں چھن چھن کر دنیا سے ظلمت کو مٹاتی

اور انسانی سعادت کی راہیں دکھلاتی ہیں۔ یہ تاج اس قوم کے سر پر اس وقت تک رہتا ہے جبتک اس کے اندر اس کی اہلیت ہوتی ہے لیکن جب اس قوم پر نفس کا تسلط اور شیطان کا استیلاء ہو جاتا ہے اور وہ نوامیس الٰہی کے حدود توڑتی اور اپنی خواہشات نفس میں ڈھلے ہوئے قوانین ان کی جگہ قائم کرتی ہے تو اس کے سر سے یہ زرین تاج اتار لیا جاتا ہے اور ظلمت و حیرانی کے ہیبت انگیز بیابانوں میں اسے سرگرداں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی معزولی تاریخ یہود اس حقیقت کا سب سے کامل مظہر ہے، جہاں ہمیں تصویر کے دونوں رُخ حقائق اور واقعات ثابتہ کی روشنی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ وہ قوم تھی جسے خدا نے تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دی تھی جس کی تائید و نصرت کے لیے بحر قلزم کی موجیں اور قضائے آسمانی کی مدبّر ہی ہمہ تن تیار نہ رہتیں بلکہ خود مرکز فتح و نصرت اور منبع فیض و رحمت ابر بن کر آتا اور ان کے سر پر سایہ کرتا ہوا چلتا لیکن آخر یہ ساری رحمتیں، یہ تمام نوازشیں یہ سب ناز برداریاں کہاں گئیں اور ان کی شان محبوبیت کس گوشہ میں جاکر روپوش ہو گئی اس وقت جبکہ ان کے ناز بردار خداوند کے تیور بدل گئے اس کی پرجلال نگاہوں سے قہرمانیوں کے شعلے نکلنے لگے، اس کے بے پناہ قوتوں والے ہاتھوں نے ان کے سروں سے خلافت کا تاج چھین لیا یہاں تک کہ اس نے ان سے تبری اور نفرت کا اعلان کر دیا۔ مغضوب علیہم اور قاسیۃ القلوب کہکر ان کے دلوں پر مہر کر دی کہ پھر سعادت اور حقانیت کی نورانی کرنیں ان کے اندر کبھی نہ گھسیں، ملعون اور مفسد قرار دیکر انھیں ایک مظہر عبرت بنا کے چھوڑ دیا کہ دنیا ان سے درس عبرت حاصل کرے۔ آخر یہ انقلاب کیسے وجود میں آیا؟ اس کا جواب قرآن تصریحاً یا کنایۃً قدم قدم پر پیش کرتا جاتا ہے۔ قدرت جب اپنے ان لاڈلوں سے عہد و پیمان مرتب کر رہی تھی تو اس وقت اس نے اپنے مراحم کی اساس ہی یہ بتلائی تھی، اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔ پھر جب ان وعدہ شکنوں نے میثاق الٰہی کی بے حرمتی کی اور خدا کی شریعت کو اپنی

اہو ا ر کی آماجگاہ بنا کر اسے فراموش ہی کر دیا تو اس نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ

چنانچہ حضرت موسیٰ نے جب فرعون کے دربار میں توحید کی آواز بلند کرکے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور اس کے جواب میں فرعون نے طرح طرح کے انسانیت سوز مظالم ڈھانے شروع کر دیئے تو بنی اسرائیل ان مصائب کی تاب نہ لا کر چیخ اٹھے کہ اے موسیٰ تو تو ہمارے لیے عذاب بن گیا صرف تیری وجہ سے تیرے آنے سے پہلے ہی ہمارے ہزاروں معصوم لخت جگر موت کے آغوش میں سلائے گئے اور پھر آج تک ہمارے مصائب کا دروازہ بند نہ ہوا اس وقت آپ نے فرمایا۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف ۱۵) — قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین کی خلافت دے دے پھر دیکھے کہ آخر تم کیسا عمل کرتے ہو۔

یعنی جب خلافت اور دنیا کی شہنشاہی کا تصور بھی ان کے ذہن میں نہ آسکتا تھا اس وقت اس منصب جلیل کی بشارت سنا کر آگاہ کر دیا گیا تھا کہ یہ نعمت تمہیں دے کر تمہارے اعمال کو دیکھا اور تمہاری صلاحیت کار اور اہلیت کو پرکھا جائے گا۔ چنانچہ یہ خداوندی بشارت بھی اسی سنت اللہ کے ماتحت عالم وجود میں آئی اور اللہ کا یہ کلمۂ حسنیٰ اسی وقت پورا ہوا جب وہ امتحان کی کسوٹی پر پورے اتر گئے۔

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا۔ (اعراف ۱۶) — اور بنی اسرائیل پر تمہارے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا بوجہ ان کے صبر کرنے کے۔

سورۂ بقرہ جو کہ اثبات نبوت کی سورۃ ہے اس کا خطاب سراسر یہود سے ہے جس کے اندر ان کی اس شقاوت و ملعونیت کی المناک داستان واقعات کی روشنی میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے اور یہ نتیجہ نکالنے کے بعد کہ تمہاری امت کا یہ کھوکھلا پیکر اس قابل نہیں رہا کہ اسے

نیابت آلہی کی زرین خلعت پہنائی جائے۔ ایک جدید امامت کی تعمیر کی ضرورت ظاہر ہوگئی ہے۔

یہود کے اسباب زوال کا یہ ایک کلی اشارہ ہے آگے چلکر حسب موقع اس کی مزید تشریح کیجائیگی

خیر الامم کی بعثت

دین الٰہی کے جس قصر مشید کی بنا وادی غیر ذی زرع میں خلیل اللہ نے ڈالی تھی اس کی تعمیر و تخریب کے نہ معلوم کتنے دور گذرے لیکن مشیت ایزدی کے نزدیک اس کی تکمیل ضروری قرار پاچکی تھی۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ اس ایوان کی آخری اینٹ رکھدی گئی جس کے بعد اس کا کوئی گوشہ نامکمل باقی نہ رہا اور شرائع و ہدایات کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اس کی تکمیل کا اعلان کردیا گیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ یعنی جو آفتاب جمال سینا او رشعیر سے طلوع ہوا تھا وہ بلند ہوکر اپنی پوری تابانیوں اور ضیا گستریوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر چمکا۔ خدا نے بیت قدس سے توجہ ہٹا کر بیت حرام کو اپنی اتمامی نعمتوں کا مہبط قرار دیا اور پھر یوں ہوا کہ وہ خلعت سعادت جسے بنی اسرائیل کے منحوس پیکر سے اتار لیا گیا تھا، کہ اب وہ اس کے اہل نہ رہے تھے، ریگزار عرب کے بدوں کو پہنا دیا گیا۔ عزل و نصب کا یہ سلسلہ تو ابتدائے آفرینش ہی سے چلا آتا تھا۔ اور سنت آلہی برابر نااہل اور ناکارہ قوم کو ذلت اور لعنت کے حضیض میں ڈھکیلتی اور اس کی جگہ ایک دوسری صالح قوم کو برپا کرکے خلافت کا تاج قدوسیت اس کے سر پر رکھتی رہی ہے لیکن یہ عزل و نصب بعض اعتبارات سے بالکل ہی ممتاز اور انوکھا تھا کیونکہ یہ لمحہ وہ تھا جو تاریخ قیادت کی دو مختلف النوع حقیقتوں کا مرکز اتصال تھا۔ اب تک جو قومیں قدرت کے انتخاب میں آتی رہی تھیں ان کی شریعت بھی محدود تھی اور ان کی سیادت بھی محدود۔ عقل انسانی کا دائرہ اس وقت اتنا وسیع نہیں ہوا تھا کہ اس کی ہدایت کے لیے کسی کمل اور غیر متبدل شریعت کی ضرورت پڑتی اور نہ اس نے اتنی ترقی قوت حاصل کی تھی کہ پورے عالم کی گلہ بانی کے بار کی متحمل ہوسکتی، یا اس کلام آلہی کی روحانی تجلیات کو اپنے اندر جذب کرسکتی جس کا عکس اگر پہاڑوں پر بھی پڑجائے تو وہ بھی جلال آلہی کی تاب نہ لاکر

ریزہ ریزہ، چور چور، پاش پاش ہو جائیں۔ اس لیے قدرت ابھی اس امانت کبریٰ کے لیے کسی خاص موقع کی منتظر تھی۔ لیکن اب اس کا انتظار ختم ہو چکا تھا یعنی انسانی ادراک واحساس اپنی معراج کمال تک پہونچ چکا تھا۔ لہذا اسے اس کی وہ "امانت کبریٰ" اپنی تمام خصوصیتوں کے ساتھ سپرد کر دی گئی۔ پس تاریخ شریعت کے اس آخری اور عظیم الشان انقلاب کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی نہ ہوگا کہ ارض الٰہی کی خلافت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں چلی آئی کیونکہ دونوں کی ذمہ داریوں میں بعد المشرقین ہے۔ ناصرہ کا داعی حق صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو راہ راست پر لانے آیا تھا۔ لیکن عرب کا امیؐ فداہ ابی و امی سارے عالم کو سچائی کا درس دینے اور کھو جانے والی پوری دنیا کو ہدایت کا سبق پڑھانے آیا۔ سو اسی مناسبت سے امت مسیحی اور امت محمدی کی ذمہ داریوں اور ان کے خصائص میں بھی تفریق کرنی پڑے گی۔ گو بنی اسرائیل کے انتخاب اور استخلاف کی غرض و غایت بھی حکومت خداوندی کا قیام اور احقاق حق و ابطال باطل ہی تھا لیکن اس کا دائرہ عمل محض شام کے اطراف ہی تک محدود تھا۔ بخلاف اس کے امت مرحومہ کا مشن بھی اگرچہ وہی تھا لیکن اس کے لیے زمین کے کسی ایک گوشہ یا رنگ و نسل کے کسی خاص گروہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ انکا پیغمبر خاتم الانبیاء تھا، ان کی شریعت اکمل الشرائع اور ان کی امت خیر الامم تھی۔ ان کے ہاتھ میں پورے کرۂ ارض کی زمام خلافت دی گئی اور مشرق و مغرب کے ہر گوشہ سے بدی کا استیصال کرنا اور اس کی جگہ نیکی کی تخم ریزی کرنا اس کا واحد مقصد اور واحد نصب العین قرار دیا گیا۔

غرض جس خلافت کی تاسیس عالم روحانیت میں اتنے قیل و قال کے بعد کی گئی تھی وہ ترمیم و تنسیخ کے ہزارہا دور گذرنے کے بعد اپنے اُس مرکز کمال تک پہونچ گئی جہاں سے نہ آگے بڑھنے کی گنجائش تھی نہ پیچھے ہٹنے کی یعنی فطرۃ نے اپنے چہرہ سے یکسر نقاب الٹ دی کیونکہ عقل اپنے مرکز ارتقا پر پہنچ کر اس کی جوہر شناس اور راز دار بننے کے قابل ہو چکی تھی اور عدل و قسط جو اس کا جوہر اور

قوام ہے بغیر کسی آمیزش اور بغیر کسی خارجی تاثر اور انفعال کے پورے جمال کے ساتھ دنیا کے سامنے چمک اٹھا تھا۔ پس وہ جماعت جس نے اس میزان عدل و قسط کو اپنے ہاتھوں میں لیا، فطرۃً امت وسط بن گئی اور یہی اس کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے کیونکہ شرائع سابقہ مخاطبین کے حالات خارجی اور خصوصیات ذہنی و باطنی کا اعتبار کرتے ہوئے فطرۃ کے جادے سے ذرا منحرف ہوا کرتی تھیں۔ یہود کا ظاہر و باطن چاہتا تھا کہ ان کی شریعت تیغ دو دم تھی لیکن مخاطبین مسیح کے حالات کا تقاضا تھا کہ فروتنی و خاکساری ان کا سرمایہ کمال قرار دی جائے۔ اسی بنا پر آپ اگر غور کریں گے تو پائیں گے کہ ایک میں انتہائی شدت و غلظت ہے اور دوسری سراپا لینت، لیکن رسول عربی کی شریعت اس افراط و تفریط سے بالکل بے داغ اور سراپا عدل و قسط بنکر آئی کیونکہ کوئی شریعت فطرۃ سے سرمو تجاوز کر کے عالمگیر اور ابدی شریعت نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دین فطرت کہلایا اور امت مسلمہ کو امت وسط کہکر پکارا گیا۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۔ (بقرہ ۱۷)　　چنانچہ ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا کہ تم لوگوں کے لیے (حق کے) گواہ ہو۔

اس آیت کریمہ میں امۃ وسطاً اور شہداء علی الناس اسی حقیقت کی تشریح ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ہے خیر الامم کا مشن اور یہ اس قدر عظیم ہیں اس کی ذمہ داریاں۔

عربوں کو خلافت کیوں ملی | بنی اسرائیل کی معزولی اور خیر الامم کی تجویز بعثت کے وقت قدرت کی نگاہیں ہر چہار جانب اٹھیں لیکن جس حسن فطرۃ کی اسے تلاش تھی اس سے ہر ناصیۂ کمال بے نور نظر آیا۔ آخر کار یہ متجسس نگاہیں وحشت کدۂ عرب میں پہنچکر ٹھٹک گئیں اور غور سے دیکھنے کے بعد انہوں نے معلوم کر لیا کہ اگرچہ بظاہر یہ زمین جہل و بربریت کا ہیبت ناک سنگلاخ ہے لیکن اس کی تہ میں وہ خالص جوہر اور صالح مادہ بدرجۂ اتم موجود ہے جو اس تخم کی روئیدگی و بالیدگی کا پوری طرح متکفل ہو سکتا ہے

جس کی تخم ریزی آج قدرت کرنا چاہتی ہے اور جس کی شاخوں کے سایہ کو ہر عربی و عجمی کے سر پر پہنچنا ہے یہ قدرت کا انتخاب تھا جس پر وہ نازاں بھی کیونکہ اسے عواقب کی خبر تھی۔ دنیا فرط حیرت سے اس کا مضحکہ اڑانے لگی آوازے کسنے لگی کیونکہ اس کی ناسوتی نگاہیں اس رمز تک نہ پہنچ سکی تھیں لیکن گنتی کے دن بھی گذرنے پائے تھے کہ غیب کے حجابات ایک ایک کرکے ہٹنے لگے اور جو چیز دنیا کے نزدیک ناممکن الوقوع تھی آنکھوں نے سورج کی روشنی میں اسے موجود ہوتے دیکھا۔

عرب نے دنیا کی سیاست، مذہب، تمدن، طرز معاشرت، پر ذہنی و فکری حیثیت سے جو اثر ڈالا وہ اس قدر عیاں ہے کہ اسے عیاں کرنے کی ضرورت نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر اتنا بڑا عظیم الشان انقلاب اس سرزمین سے کیوں اٹھا؟ یہ مرکز شر و فساد مہبط سعادت کیونکر بن گیا؟ ان بدوؤں کے ہاتھوں سے اونٹوں کی مہار لیکر مشرق و مغرب کی زمام سیادت کس نے دی؟ کیا قدرت کو وہاں کی سرزمین سے کوئی خاص انس تھا؟ کیا یہاں کے باشندے اس کے لاڈلے تھے کہ بغیر کسی استحقاق کے انھیں فرمانروائی عالم کے تخت پر لے جاکر بٹھا دیا؟ عقل سلیم تو اسے ایک لمحہ کے لیے بھی باور کرنے کو تیار نہیں، یہ عالم اسباب ہے جو دینے والے کی راہ میں سب کچھ کھو دیتا ہے وہ سب کچھ پالیتا ہے، جو سر جھکاتا ہے وہی سربلند ہوتا ہے۔ جو گردن کشا تا ہے وہی حیات پاتا ہے، یعنی وہی سنت الٰہیہ یہاں بھی کارفرما تھی جس نے بنی اسرائیل کو بے تاج و تخت کیا تھا، اس کا قانون اب بھی ویسا ہی بے لچک تھا جیسے پہلوں کے لیے تھا۔

اسلام کی ابتدائی زندگی پر غور کیجیے، مظلومیت کی کیسی بے نظیر تاریخ ہے یہیں سے قدرت کی حکمت بھی دیکھتے چلیے اور ساتھ ہی اس کا عدل بھی۔ خلافت اسرائیلی اور خلافت عربی دونوں کی تاریخ سامنے رکھیے۔ سنۃ اللہ کا حسن اور زیادہ بے نقاب دکھائی دے گا۔ اس کا قانون یہ ہے کہ بندہ کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالکر پہلے پرکھ لیا جائے گا پھر حسب لیاقت نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ بقیہ

مسلمانوں کی بے قراری اور بے تابی کے وقت لسان حبیب اس انداز سے بے نیازی کے ساتھ تنبیہ کرتی ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔ (روم ۲) کیا لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ محض اُن کے یہ کہدینے سے کہ ہم ایمان لائے انھیں چھوڑ دیا جائیگا اور انہیں پرکھا نہ جائے گا۔

غور فرمائیے یہود کی سیادت محدود تھی اور شریعت بھی محدود، بایں وجہ ان کی آزمائشوں کی کمیت اور کیفیت بھی محدود رہی کیونکہ جس سونے کو جتنا کھرا بنانا ہوتا ہے۔ اسی قدر اسے تپایا جاتا ہے۔ امت محمدیہ پر نعم الٰہیہ کا اتمام ہونے والا تھا اس کو وہ خلعت سیادت عطا کیا جانے والا تھا جسے دنیا اپنی کہنہ سالی کے باوجود ابتک نہ دیکھ سکی تھی۔ لھذا ضروری تھا کہ فتنوں اور آزمائشوں کا ویسا ہی مہیب سیلاب بھی آتا جسے چشم تصور ابتک نہ دیکھ سکی ہو۔ یہ سیلاب آیا یا نہیں؟ اور اس کے تھپیڑوں میں کوئی انسانی فرد یا گروہ ثابت قدم بھی رہا یا نہیں؟ یہ سوالات وہ ہیں جن کے جوابات تمام دنیا نے ایک ہی دیے ہیں۔ اس کا ثبوت بحث و تمحیص سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی اوراق مظلومیت کا ایک عدیم المثال مرقع ہیں۔ بنی اسرائیل کے پورے خانوادہ کے لیے ایک فرعون تھا۔ لیکن یہاں ہر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کے لیے ایک فرعون موجود ہے۔ وہاں ایک ختنہ ہے جسے غرق کرنے کے لیے سمندر کو آنا پڑتا ہے۔ لیکن یہاں انگاروں میں جلائے جا رہے ہیں، چٹانوں سے پیسے جا رہے ہیں، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے جا رہے ہیں، سالہا سال تک آب و دانہ پہنچنے کی راہیں مسدود کی جا رہی ہیں۔ لیکن قدرت کی بے نیازی! نہ تو آگ ہی کو الہام ہوتا ہے کہ بردا و سلاماً بن جائے۔ نہ چٹانوں سے کہا جاتا ہے کہ اپنا وزن روک لیں۔ نہ ریت کی تپش جھلسانے سے باز آتی ہے، نہ آسمان سے من و سلویٰ کا نزول ہوتا ہے، ان تمام باتوں

کے بعد بھی کلمہ گوئی کی تعزیریں ختم نہیں ہوتیں۔ حکم ہوتا ہے گھر چھوڑ دو، مال و جائداد سے دست کش ہو جاؤ، بیوی بچوں کو الوداع کہو، حدود وطن سے باہر نکل جاؤ۔ بالآخر کرنے والے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ لیکن جس زمین پر بھی جاتے ہیں وہ آسمان سے خالی نہیں نکلتی۔ سب کچھ تیاگ دینے کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اب اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھکر آؤ کہ خلافت کے فرائض اب جاکر شروع ہو رہے ہیں۔ ان سے محاربہ کرو جو خدا سے محاربہ کرتے ہیں۔ ان کو قتل کرو جو تم سے مقابلہ کرتے ہیں۔ حکومت الٰہی کے باغیوں کا قلع قمع کرو خواہ وہ تمہارے بازو کی قوت ہوں یا جگر کے ٹکڑے۔ اگر تم ایک ہو تو ان کے دس سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ آخرکار بڑھنے والے بڑھے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جاؤ تم اور تمہارے خدا لڑیں۔ انھیں یہ ڈر نہ تھا کہ "قوم جبار" سے مڈبھیڑ کا حکم ہو رہا ہے۔ انھیں غم تو اس کا ہوتا تھا کہ ہم شہید ہونے سے کیوں رہے جاتے ہیں۔ اور یہی مقام ہے جہاں انسان جنت ارضی (خلافت) و جنت سماوی کا وارث بنتا ہے۔ اس کھرے سودے کی تشریح خدا نے یوں کی ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین اَنْفُسَھُمْ واموالھم بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ — خدا نے مومنین سے ان کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

اس قدر اطاعت الٰہی میں ڈوب جانے اور اس قدر فدا کار بن جانے کے باوجود مربی غیب ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ چوک پر بھی اپنی تعزیری کارروائیوں سے باز نہ آتا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک اجتہادی غلطی کا ارتکاب کیا تو خدائے قہار کی ایسی ڈانٹ پڑی کہ کلیجے دہل گئے۔ غزوہ احد میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا لیکن دفعتاً قدرت نے جنگ کا پانسہ بایں وجہ بدل دیا کہ عقب کے تیراندازوں نے قبل از وقت اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اور غنائم پر جھک پڑے۔ غزوہ حنین میں اسلامی لشکر اپنی جرار ی کے

باوجود شکست کھا گیا صرف اس بنا پر کہ اس کے جذبۂ توکل علی اللہ کے کمال میں نقص آگیا تھا اور اپنی کثرت پر کسی قدر ناز تھا۔

قرآن کریم کے اکثر و بیشتر احکامات ایسے ہی مواقع پر نازل ہوئے ہیں جب ادھر سے کسی قسم کی چوک ہوئی ہے۔ اس طرح اس نے حکیمانہ اصول تربیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مومنین کی تطہیر کی اور جب ایک صالح جماعت اللہ والوں کی پیدا ہوگئی جو اللہ کے ہاتھ سے پکڑتے، اللہ ہی کے پیر سے چلتے اور اللہ ہی کی آنکھ سے دیکھتے، جن کا ایمان فتنوں کی بھٹی میں جلکر خالص کندن کی طرح چمکنے لگا تھا، جن کے متعلق خدا نے یہ اقرار کیا کہ میں ان سے راضی ہوا اور وہ مجھ سے راضی ہوئے، جن کی مختصر لیکن جامع تعریف یہ تھی کہ کفار کے لیے سخت ہیں، اپنے لوگوں (مومنین) کے لیے نرم رکوع و سجود میں مشغول، رضوان الٰہی کی تلاش میں محو ہیں، غرض قدرت نے جب ہر طرح سے انھیں پرکھ لیا کہ صالحین اور متقین کا گروہ اپنے باطن کا تزکیہ پوری طرح کر چکا ہے اور اب اس قابل ہے کہ ساری دنیا کی تطہیر اور تزکیہ کا بیڑا اٹھائے اس وقت وَلَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً کا خداوندی وعدہ پورا ہوا، کیونکہ ہر نہج سے وہ اس کے مستحق ہو چکے تھے، اور قدرت کو کامل یقین ہو چکا تھا کہ اگر ان کو زمین میں تمکن عطا کیا جائے گا تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے نیکی کا پرچار کریں گے اور برائی کا استیصال کریں گے اور یہی خلاصہ ہے منشا خلافت کا۔

مسلمانوں کی معزولی اوپر کی سطروں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عالم اسباب کے اندر عزل و نصب کا سررشتہ اسی سنت الٰہیہ کے دامن سے بندھا ہوا ہے جو سب کے ساتھ یکساں رہی ہے۔ صدر اول کے مسلمانوں کو خلافت کا تاج بخشا گیا کیونکہ وہ ہر شرط پر پورے اتر چکے تھے۔ لیکن اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ آخری شریعت آجانے کے بعد فطرۃ الٰہی مردہ ہو چکی ہے، یا قدرت اپنے آخری فیصلہ کو نافذ کر کے سو رہی ہے۔ اس نے اس وقت بھی وہی الفاظ دہرائے تھے جو بنی اسرائیل کو سریر خلافت پر بٹھاتے

وقت کہے تھے کہ :-

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۔(یونس)

پھر ہم نے ان کے بعد زمین پر تم کو خلیفہ بنایا، تاکہ دیکھیں تم کس طرح کام کرتے ہو۔

جس قدر زمانہ گذرتا گیا کیف تعملون کی حقیقت واضح ہوتی گئی۔ ان دو لفظوں میں امت مسلمہ کی پوری تاریخ بیان کر دی گئی ہے۔ ان کے اندر اسلامی عروج و زوال کی پوری تفصیل موجود ہے تصویر خیر الامم کا ایک رخ تو وہ ہے جسے پچھلے لفظوں میں دکھایا جا چکا ہے، اور دوسرا رخ یہ ہے جو آج ہماری اور آپ کی نگاہوں کو بے حجاب نظر آ رہا ہے۔ مسلمانوں کی اس معزولی و محکومی اور ان کی پستی و درماندگی پر نظر ڈالتے ہی مجھے صادق و مصدوق کی وہ المناک پیشین گوئی یاد آگئی جس کی حقانیت پر تاریخ اسلام کا ہر آنے والا لمحہ مہر تصدیق ثبت کرتا جاتا ہے کہ :-

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ قَالُوا الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ فَمَنْ ۔(بخاری)

یقین ہے کہ تم بھی ان سب راستوں پر چلوگے جن پر پچھلی امتیں چل چکی ہیں۔ تم قدم بقدم ان کی پیروی کروگے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسی ہیں تو تم بھی اس میں ضرور گھسوگے۔ لوگوں نے پوچھا کیا پچھلی امتوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ فرمایا اور کون؟ (باقی)

سراپائے رسول

اس مختصر کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک اور آپ کے عادات و خصائل لباس، معاشرت، اخلاق، آداب و اطوار اور عام طرز معاشرت کے متعلق تمام معلومات نہایت سہل زبان میں لکھی گئی ہیں۔ چھپائی نفیس، خوبصورت لیبل لگی۔ قیمت [illegible] دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے۔